علم الکلام سے اشتغال۔ جائز یا ناجائز؟

مختلف آراء کا تجزیاتی مطالعہ

——— محترمہ نعمانہ خالد

عقائد کو ان کے تفصیلی اور عقلی دلائل سے جاننا علم الکلام کہلاتا ہے۔ اس کے جواز سے متعلق علماء کی دو آراء ہیں۔ بعض علماء اس کی حرمت کے قائل ہیں، جب کہ بعض کے نزدیک یہ انتہائی مفید اور ضروری علم ہے۔ اس مضمون میں علم الکلام کے قائلین اور عدم قائلین کے دلائل کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا۔ اس ضمن میں اولاً علم الکلام کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم، غرض و غایت، وجہ تسمیہ اور تاریخی منظر پیش کیا جاتا ہے:

علم الکلام۔ لغوی مفہوم

کلام عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ ک ل م ہے۔ کلم کا لغوی معنیٰ ہے: زخمی کرنا۔ الکلام کا مطلب ہے قول، گفتگو، جملہ۔

پس کلمہ کے لغوی معنی زخمی کرنے کے ہیں اور کلام کا لفظ گفتگو اور بحث و مباحثہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف

علماء نے علم الکلام کی اصطلاحی تعریف اپنے اپنے اسلوب میں کی ہے۔ علامہ شریف جرجانیؒ کہتے ہیں:

هو علم يبحث فيه عن ذات الله تعالىٰ و صفاته و أحوال الممكنات من المبدأ والمعاد على قانون الاسلام۔ والقيد

الأخیر لاخراج العلم الالٰھی للفلاسفة۲؎

(علم الکلام وہ علم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور مبدا اور معاد کے ممکنہ احوال سے متعلق اسلام کے اصولوں کے مطابق بحث کی جاتی ہے۔)

علامہ سعدالدین تفتازانیؒ نے یہ تعریف ہے:

معرفة العقائد عن أدلتها التفصیلیة ۳؎

(عقائد کو ان کے تفصیلی دلائل سے جاننے کا نام علم الکلام ہے۔)

مرتضی مطہری نے علم الکلام کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

'Ilm al-kalam is one of the Islamic sciences. It discusses the fundamental Islamic beliefs and doctrines which are necessary for a Muslim to believe in. It explains them, argues about them, and defends them. 4

علم الکلام اسلامی علوم میں سے ہے۔اس میں اسلام کے بنیادی عقائد زیر بحث آتے ہیں، جن پر ایمان لانا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔علم الکلام میں ان کی وضاحت کی جاتی ہے،ان کے دلائل فراہم کیے جاتے ہیں اوران کا دفاع کیا جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عقائد کا عقلی بنیادوں پر دفاع علم الکلام کے تحت کیا جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر عقائد کو منطقی براہین اور عقلی دلائل کے ذریعہ ثابت کرنا علم الکلام کہلاتا ہے۔

علم الکلام کا موضوع

محمد بن احمد سفارینی حنبلیؒ علم الکلام کا یہ موضوع بیان کرتے ہیں:

ھو المعلوم من حیث یتعلق بہ اثبات العقائد الدینیة ۵؎

(اس حیثیت سے معلومات پیش کی جائیں کہ عقائد دینیہ کو ثابت کیا جاسکے۔)

غرض وغایت

امام غزالیؒ اس علم کی غرض وغایت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

أما الکلام فمقصوده حمایة المعتقدات التی نقلها أهل السنة من السلف الصالح لاغیر ٦ ۔

(علم الکلام کا مقصد ان عقائد کی حفاظت کرنا ہے جو اہل سنت کے سلف صالحین سے منقول ہوئے ہیں، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔)

وجہ تسمیہ

علم کلام کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ علامہ شہرستانیؒ نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ مسائل عقائد میں جس مسئلہ پر بڑے معرکے رہے، وہ کلام الٰہی کا مسئلہ تھا، یا اس وجہ سے کہ چوں کہ یہ علم فلسفہ کے مقابلہ میں ایجاد ہوا تھا، اس لیے فلسفہ کی ایک شاخ 'منطق' کا جو نام تھا وہی اس فن کا بھی نام رکھا گیا، کیوں کہ منطق اور کلام مراد ف اور ہم معنی الفاظ ہیں۔ ۷ ۔ شبلی نعمانی نے بھی اسی وجہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ ۸ ۔

علم الکلام کا آغاز وارتقاء

علم کلام کے آغاز وارتقاء کے بارے میں کئی آراء موجود ہیں۔ ذیل میں ان کا خلاصہ نکات کی شکل میں پیش کیا جائے گا:

☆ خیر القرون تک عقائد براہ راست تربیت نبوی ﷺ کی وجہ سے خالص رہے اور حوادث کی صورت میں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کر لیا جاتا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، عجم میں لوگ کثرت سے مشرف بہ اسلام ہونے لگے، صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس جہان فانی سے رخصت ہوتے گئے، ویسے ویسے فتنوں اور بغاوتوں کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ دیگر اقوام کے ساتھ روابط بڑھنے لگے اور عقائد کا عقلی بنیادوں پر دفاع ہونے لگا۔ یہی علم الکلام کا نقطۂ آغاز تھا۔

☆ عباسی دور، بالخصوص مامون کے دور میں بہت سی یونانی کتب

بہ شمول فلسفہ وغیرہ کا ترجمہ کیا گیا، جس کی وجہ سے عقلیت پسندی کا رجحان بڑھنے لگا۔ ۹؎

☆شبلی نعمانی نے ابوالہذیل علاف ۱۰؎ کو علم الکلام کا بانی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے اسی نے اس فن میں باقاعدہ کتاب تحریر کی۔ ۱۱؎

☆چوتھی صدی میں علم الکلام درجۂ کمال تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس میں وہ دم خم باقی نہ رہا تھا۔ علم کلام حکومت کے سایہ میں پیدا ہوا تھا اور حکومت ہی کے دامن میں پلا تھا۔ ۱۲؎

ان تمام اقوال میں تطبیق یوں دی جا سکتی ہے کہ علم کلام کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد عجمی اقوام کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے ہوا، لیکن اس کا باقاعدہ آغاز عباسی دور سے ہوتا ہے۔ مامون کے عہد میں اس پر باقاعدہ کتب لکھی جانے لگیں اور معتزلہ اس علم کو پروان چڑھانے میں پیش پیش رہے۔

علم الکلام کا جواز یا عدم جواز؟

علم الکلام کے باقاعدہ آغاز کے ساتھ ہی اس علم کے جواز یا عدم جواز کے متعلق گفتگو کی جانے لگی۔ اس کی حرمت کے قائلین میں امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام سفیان ثوریؒ اور سلف کے تمام اہل حدیث شامل ہیں۔ ۱۳؎ بعض حضرات نے اس علم کی مذمت میں باقاعدہ کتب تحریر کی ہیں، جن میں سلف سے منقول اقوال کو بھی جمع کیا ہے۔ ۱۴؎ حافظ سراج الدین قزوینی نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ امام غزالیؒ نے فلسفہ کی جو تعریف کی تھی، بعد میں اس کی حرمت کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ ۱۵؎ چوتھی صدی کو علم الکلام کے درجۂ کمال کا دور قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس صدی کے مشہور متکلمین میں ابومسلم اصفہانی، ابو بکر اصم اور قفال کبیر شامل ہیں۔ پانچویں صدی میں بڑے بڑے متکلمین گزرے ہیں، جن میں ابوالحسین محمد بن علی البصری، ابواسحاق اسفرائنی اور قاضی عبدالجبار معتزلی شہرت رکھتے ہیں۔ ۱۶؎

ذیل میں علم الکلام کے قائلین اور عدمِ قائلین کے دلائل بیان کیے جاتے ہیں:

قائلین کے دلائل

استدلال، دلیل کا مطالبہ اور دلیل و برہان کے بارے بحث کرنا ممنوع کیسے ہوسکتا ہے، جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (الانبیائ:۲۴)

''کہہ دو کہ (اس بات پر) اپنی دلیل پیش کرو''۔

قرآن مجید کی متعدد آیات اس پر شاہد ہیں۔ مثلاً ارشاد الٰہی ہے:

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال:۴۲)

''تا کہ جو مرے، بصیرت پر (یعنی یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر (یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے۔''

قرآن اول سے آخر تک کفار پر حجت قائم کرتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا اٰتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ (الانعام:۸۳)

''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اُس کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی''۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا (ہود:۳۲)

''ان لوگوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے حجت کی اور حجت بھی بہت کی''۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اس ضمن میں متعدد آیات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''یہ کہنا کہ اسلام ایسا مذہب ہے جو اپنی باتوں کو بے دلیل منوانا چاہتا ہے، ایک کھلا ہوا بہتان ہے۔'' ۱۷؎

متکلمین نے توحید و رسالت پر جو دلائل قائم کیے ہیں، ان میں سے اکثر کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

توحید کی دلیل قرآن مجید میں یہ بیان کی گئی ہے:

لَوۡ کَانَ فِیۡہِمَاۤ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ (الانبیائ:۲۲)

''اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو (زمین و آسمان) درہم برہم ہوجاتے۔ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں مالک عرش ان سے پاک ہے۔''

اثباتِ نبوت سے متعلق بہترین دلیل یہ ہے:

وَاِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ (البقرۃ: ۲۳)

''اور اگر تم کو اس (کتاب) میں، جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی ہے، کچھ شک ہو تو اس طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ۔''

بعث بعد الموت پر قرآن نے یہ دلیل پیش کی ہے:

قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (یٰسین: ۷۹)

''کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا''۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور کی دولت سے نوازا ہے۔ اس نے غور وفکر کے ذریعہ درست نتیجہ تک پہنچنے والوں کی تحسین ان الفاظ میں کی ہے:

الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا (آل عمران:۱۹۱)

''جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) اے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی عند الضرورۃ منکرین کے مقابلے میں دلائل وبراہین سے کام لیتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے زمانے میں اس کی ضرورت کم ہی پیش آئی۔ مبتدع فرقوں سے بحث کر کے حق کی طرف ان کی رہ نمائی کا کام سب سے پہلے

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کیا۔ ۱۸؎

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور کی دولت سے نوازا ہے اور کسی امر کا عقلی طور پر ثابت ہوجانا اس کی قوت میں اضافہ کا باعث اور قابلِ تحسین ہے۔

جہاں تک اصطلاح کا تعلق ہے تو یہ ایسی کوئی قابل لحاظ بات نہیں۔خود علم تفسیر،علم حدیث اور علم فقہ کی مخصوص اصطلاحات ایسی ہیں جو دور صحابہ میں نہ تھیں، مثلاً قیاس کی اصطلاحات: نقض، کسر، ترکیب،تعدید اور فسادوضع وغیرہ۔ اصطلاح اس لیے مقرر کی جاتی ہے تا کہ صحیح مقصود پر دلالت کرے۔یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی جدید شکل و صورت کا کوئی برتن بنایا جائے،تا کہ وہ کسی مباح چیز کے لیے استعمال کیا جائے۔۱۹؎

اگر علم کلام پر اعتراض اس کے الفاظ و اصطلاحات کے لحاظ سے نہیں ہے، بلکہ اس میں خرابی مقصودِ معنی کے اعتبار سے ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ حدوثِ عالم کی دلیل سے واقفیت حاصل ہو اور خالق کی وحدانیت اور اللہ کی صفات کی،جس طرح پر کہ وہ شرع میں ثابت ہیں، دلیل کی معرفت حاصل ہو۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کو دلیل کے ساتھ پہچاننا آخر حرام کہاں سے ہوا؟۲۰؎

منکرین کے دلائل

مسئلہ ذبحِ بقرۃ اور بنی اسرائیل کا عمل اس امر کی دلیل ہے کہ کثرتِ سوال اور قیل وقال مشکلات میں اضافہ کا باعث بنتا ہے اور انسان کو عمل خالص سے دور کر دیتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

أَلَا هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۲۱؎

(آگاہ رہو! تباہ و برباد ہوگئے جھگڑنے اور بحث ومباحثہ کرنے والے۔ یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔)

اللہ تعالیٰ کو دلیل سے پہچاننا حرام ہے۔مسلمان ایمان بالغیب کا حامل ہوتا ہے۔

متکلمین ،متقدمین اور سلف صالحین کے راستے کو چھوڑ دیتے ہیں اور جن بحثوں

میں خیر القرون کے لوگ نہیں پڑے، ان کو اختیار کر لیتے ہیں۔ امام مالکؒ کا قول ہے:

ایّاکم و أھل البدع، أی اتّقوا من الجھلة، قیل و من أھل البدع؟ قال أھل الکلام الذین یتکلّمون فی ذات اللہ و صفاتہ، و لا یسکتون عما سکت عنہ السلف ۲۲۔

(اہل بدعت سے بچو، یعنی جہالت سے۔ پوچھا گیا کہ یہ اہلِ بدعت کون ہیں؟ فرمایا: وہ اہلِ کلام ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کلام کرتے ہیں اور علماء سلف نے جن باتوں میں سکوت کیا ہے ان پر سکوت نہیں اختیار کرتے۔)

انسان اصل سے ہٹ جاتا اور فلسفیانہ موشگافیوں میں پڑ کر فکری گم راہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے:

لا یفلح صاحب الکلام أبداً۔ ۲۳۔

(صاحبِ علم الکلام کبھی کام یاب نہیں ہوسکتا۔)

علم کلام میں پڑ جانے سے ذہن منتشر ہوتا ہے اور انسان تمسّک بالقرآن والسنۃ سے ہٹ جاتا ہے، اسی لیے بعض حضرات ایسے شخص پر 'عالم' کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے۔ ابو عمر ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں:

'اہلِ کلام تو اصحابِ بدعت اور کج رَو ہیں۔ کسی کے نزدیک بھی ان کا علماء کے طبقات میں شمار نہیں کیا جا سکتا اور بے شک علماء تو محدثین اور فقہاء ہیں۔ ۲۴۔

علم کلام کے زیر اثر انسان ہر بات کو اپنے مخصوص ذہنی سانچے کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ عبد اللہ الانصاری الہرویؒ نے اپنی کتاب میں جو علمائے کلام سے کوئی حدیث نقل نہیں کی، اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ لوگ صفتِ عدالت سے خارج ہو چکے تھے۔ ۲۵۔

ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ کلام میں مشغول ہوتے تھے ان کے عقیدے خواہ مخواہ محدثین کے عقائد سے کچھ نہ کچھ مختلف ہو جاتے تھے۔ مثلاً جب وہ اس قسم کی حدیثیں

سنتے تھے کہ حضرت آدم اور موسیٰ علیہم السلام میں مناظرہ ہوا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنا پیر دوزخ میں ڈالے گا تب اسے تسکین ہوگی، تو وہ یا تو ان حدیثوں کو صحیح نہیں تسلیم کرتے تھے، یا ان کی تاویل کرتے تھے۔ محدثین کے نزدیک یہ حدیثیں صحیح ہیں، اس لیے ان کا انکار کرنا یا تاویل کرنا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی توہین ہے۔ ۲۶؎

جب امت اصل دین سے دور ہو جاتی ہے اور عقلی موشگافیوں میں پڑ جاتی ہے تو رفتہ رفتہ افتراق و انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔

محاکمہ و تطبیق

علم الکلام کے قائلین اور منکرین کے دلائل پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصولی طور پر کلامی مباحث میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ عقلی دلائل میں اس حد تک ڈوب جانا کہ ہر مسئلہ کو عقلی طور پر پرکھا جائے اور قطعی و بدیہی امور کو عقلی طور پر سمجھ میں نہ آنے پر رد کر دیا جائے، یہ رویہ درست نہیں ہے، البتہ شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لیے دلائل پیش کر دینے میں کچھ حرج نہیں۔ اس ضمن میں کچھ اقوال و واقعات اور آراء کو بیان کیا جاتا ہے:

علامہ موفق بن احمد المکیؒ نے اپنی کتاب 'مناقب الامام ابی حنیفہؒ' میں ایک طویل واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام صاحبؒ نے اپنے لڑکے حماد کو علم کلام حاصل کرنے کی ہدایت کی، پھر اس سے منع کر دیا، کیوں کہ انہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے ہیں۔ ۲۷؎ اس واقعہ سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اصولی طور پر علم کلام جائز ہے، لیکن اس حد تک پہنچ جانا کہ دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جائے اور اسی علم کو اول و آخر سمجھا جائے، یہ جائز نہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

> **انّ لیس کل مایقوله المتکلّمون حقاً، بل کل ماجاء به الرسول فهو حقّ، وما قاله المتکلّمون وغیرهم ممایخالف ذلک فهو باطل۔ وقد عرف ذم السلف و الأئمة لأهل الکلام المحدث**

المشتمل علی الباطل المخالف للکتاب و السنة۔ ۲۸؎

(متکلمین نے جو کچھ کہا وہ سب درست نہیں ہوسکتا، بلکہ جو رسول لے کر آئے اس کے مطابق جو کہا وہ درست ہے۔ متکلمین وغیرہ نے اس کے علاوہ جو کچھ کہا ہے وہ باطل ہے۔ سلف اور ائمہ نے اہل کلام محدث کی ان باتوں کی مذمت کی ہے، جو باطل پر مشتمل اور کتاب و سنت کے خلاف ہیں''۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنی تالیف 'العقل والنقل' میں لکھتے ہیں کہ ان متعارض اقوال کو یاد کرلو جن کے سلجھانے میں تم سخت پریشان تھے اور جن کی کوئی درست توجیہ تم سے بن نہ پڑتی تھی اور اخیر میں امام صاحب کی اس زرّیں نصیحت کو خوب یاد کرلو۔ ۲۹؎

مولانا عبدالعزیز پرہاڑوی نے لکھا ہے کہ ممانعت چار قسم کے افراد کے لیے ہے:

۱۔ جو شخص دین میں تعصب رکھتا ہو، یعنی جو حق بات کے واضح ہو جانے کے بعد بھی محض عناد کی وجہ سے اس کی اتباع نہ کرتا ہو۔ اس صورت میں کلام کرنا اس کو مناظرہ میں تقویت دے گا اور اس کا تعصب مزید بڑھے گا۔

۲۔ جو شخص ذہین و عقل مند نہ ہو۔ وہ دلائل اور مسائل کی حقیقت کو نہ پہنچ سکے گا۔ اس کی عقل استدلالی یقین حاصل کرنے سے قاصر رہے گی۔ ایسا شخص علم الکلام میں مشغول ہوگا تو اس کا ایمان تشویش میں پڑ جائے گا۔

۳۔ وہ شخص جو کم زور مسلمانوں میں کلامی شکوک و شبہات ڈالنے کا ارادہ کرتا ہو، جیسا کہ بعض ملحدین نے دین میں فساد ڈالنے کے لیے لوگوں کو کلامی بحثوں میں الجھا دیا۔

۴۔ وہ شخص جو فلسفہ کی باریکیوں میں جا گھستا ہے اور ایسی چیزوں میں الجھنے کی کوشش کرتا ہے جن کی اسلامی عقائد میں کوئی احتیاج نہیں ہوتی، کیوں کہ فلسفہ کے بہت سے مباحث ایسے ہیں جن کا عقائد کی ابحاث سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔ ۳۰؎

علامہ راغب الطباخ لکھتے ہیں کہ اس علم کا سیکھنا سکھانا ضروری ہے اور اس کی طرف توجہ کرنا علماء کے لیے لازم ہے، تاکہ عقایدِ امت کی حفاظت ہو سکے، لیکن اس معاملہ میں شدت کے ساتھ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اس کی طرف رجوع کرنے میں اس موقف سے نہ ہٹیں جس پر سلف اور صدرِ اسلام کے لوگ تھے اور ایمان کے باب میں اتنے ہی پر اکتفا کریں جتنا حدیث میں آیا ہے۔ ۴۱ ؎

ثابت ہوا کہ جائز حد میں رہتے ہوئے عقلی دلیل سے مسئلہ سمجھانے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ تو مستحسن امر ہے۔ مثلاً مولانا قاسم نانوتویؒ اللہ سبحانہ کے کمال کو اس طرح سمجھاتے ہیں:

'نقصان کسی چیز کا کسی مخالف کی زور زبردستی سے ہوا کرتا ہے۔ گرمی کا نقصان سردی سے اور سردی کا گرمی سے ہوتا ہے۔ آگ کا پانی سے نقصان ہوتا ہے کہ وہ اسے بجھاتا ہے اور پانی کا آگ سے کہ وہ اسے جلاتی ہے۔ ثابت ہو چکا ہے کہ ماسوا خدا کے اور کسی میں کچھ زور اور تاثیر نہیں'۔ ۲۳

علم کلام کے جواز اور حدود پر بہترین رائے علی عبدالفتاح نے ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

> 'علم کلام دو قسم کا ہے: ایک محمود اور دوسرا مذموم۔ محمود علم الکلام وہ ہے جس میں وہ خاص مباحث شامل ہوں جو اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود اور اس کی صفات کو اسلامی قانون کے مطابق ثابت کرنے سے متعلق ہوں۔ اسی طرح جو نبوت اور آخرت کو اسلامی اصولوں کے مطابق ثابت کرنے سے متعلق ہوں۔ اور یہ مسائل شریعت کے بنیادی علوم میں سے ہیں۔ علم کلام کی اباحت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عقائد کے اصولوں میں شکوک و شبہات کا ازالہ مقصود ہو اور مبتدعین کے شبہات کے جوابات دینے اور ان کے استدلالات کو رد کرنے کی حاجت ہو۔ البتہ جہاں تک مذموم علم الکلام کا تعلق ہے تو وہ ایسا کلام ہے جو کتاب و سنت کے خلاف ہے، جیسا کہ ایسے مسائل داخل کر دینا

جو کتاب وسنت سے بے موافق نہ ہوں، یا مسائل کو ایسے طریقے سے ثابت کر دینا جو کتاب وسنت کے خلاف ہو"۔ ۳۳؎

عقل کے متعلق مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں:

"دو صورتیں ہیں اور دونوں کا حکم ایک نہیں: ایک یہ کہ کوئی بات عقل کے خلاف ہو، دوسرے یہ کہ تمہاری عقل سے بالاتر ہو۔ بہت سی باتیں ایسی ہوسکتی ہیں جن کا تمہاری سمجھ احاطہ نہیں کرسکتی، لیکن تم یہ فیصلہ نہیں دے سکتے کہ وہ سرے سے خلاف عقل ہیں۔ اول تو تمام افراد کی عقلی قوت یکساں نہیں۔ ایک آدمی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتا، دوسرا باریک سے باریک نکتے حل کرلیتا ہے۔ ثانیاً عقل انسانی برابر نشو ونما کی حالت میں ہے۔ ایک عہد کی عقل جن باتوں کا ادراک نہیں کرسکتی، دوسرے عہد کے لیے وہ عقلی مسلّمات بن جاتی ہیں۔ ثالثاً انسانی عقل کا ادراک ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور عقل ہی کا فیصلہ ہے کہ حقیقت اسی حد پر ختم نہیں ہوجاتی"۔ ۳۴؎

علم الکلام کے بارے میں دونوں طرح کی آراء کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ قرنِ اول میں عقائد کی عقلی توجیہات وقت کا تقاضا نہیں تھا۔ لہٰذا فقہاء نے بھرپور مذمت کی، تاکہ اصل سے تعلق مضبوط رکھا جاسکے، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ رجحان تبدیل ہونے لگا اور ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا، اس وقت ضرورت محسوس ہوئی کہ عقائد کی عقلی توجیہات بیان کی جائیں۔ البتہ اس پر سب متفق ہیں کہ عقل معیار نہیں اور نہ ہر بات کا ہر انسان کی عقل میں آنا ممکن ہے۔ اساس ومعیار وحی ہے، جس کی حیثیت واضح، متعین اور قطعی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ علم الکلام اصولی طور پر جائز ہے، شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے علماء عقلی دلائل فراہم کرسکتے ہیں، البتہ صرف عقلی بنیادوں پر قرآن وسنت اور دین کی روح سے متصادم افکار باطل اور قابل رد ہیں، جن کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ لویس معلوف، المنجد، عربی اردو، (مترجم عبدالحفیظ بلیاوی)، خزینۂ علم وادب، لاہور، سنہ طبع درج نہیں، ص ۷۶۵۔۷۶۶، کیرانوی، وحیدالزماں قاسمی، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۴۲۱۔۱۴۲۲

۲۔ الجرجانی، علی بن محمد، الشریف، ابوالحسن، الحنفی، کتاب التعریفات، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، سنہ طبع درج نہیں، باب الکاف، ص ۱۳۰

۳۔ التفتازانی، مسعود بن احمد، سعدالدین، شرح العقائد، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان، سنہ طبع درج نہیں، ص ۵

4. Murtada Mutahhari, An Introduction of Ilm al-Kalam, Saqi Books, U,K, 2002, pg. 30-50

۵۔ السفارینی، محمد بن احمد، الحنبلی، کتاب لوامع الانوار البہیۃ وسواطع الاسرار لشرح الدرۃ المضیۃ فی عقد الفرقۃ المرضیۃ، مؤسسۃ الخافقین ومکتبتہا، دمشق، ۱۹۸۰ء، ص ۵۱۱

۶۔ الغزالی، محمد بن محمد، ابوحامد، الامام، احیاء علوم الدین، دارالشعب، القاہرۃ، س۔ن، ص ۱۶۸

۷۔ الشہرستانی، محمد بن عبدالکریم، الملل والنحل، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۴ھ، ج ۲، ص ۱۸۲

۸۔ شبلی نعمانی، علامہ، علم الکلام اورالکلام، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۹ء، ص ۳۴

۹۔ ملخص از عبدالسلام خان، برصغیر کے علمائے معقولات اوران کی تصنیفات، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۶ء ص ۲۔۱، مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، مکتبہ وہبہ، القاہرہ، ص ۳۶۴

۱۰۔ پورا نام محمد بن الہذیل بن عبداللہ بن مکحول تھا (۱۳۱ھ۔ ۲۳۵ھ)۔ مامون کے دربار میں جس قدر علمائے کلام تھے، ان میں سب سے پیش رَو ابوالہذیل اور نظام تھے۔ تفصیلی سوانح کے لیے ملاحظہ ہو: علم الکلام اورالکلام، شبلی نعمانی، ص ۴۰۔ ۳۸

۱۱۔ علم الکلام اورالکلام، ص ۳۸ ۱۲۔ علم الکلام اورالکلام، ص ۵۱۔ ۴۷

۱۳۔ راغب الطباخ، علامہ، تاریخ افکار وعلوم اسلامی، (مترجم: مولانا افتخار احمد بلخی)، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ئ، ج ۲، ص ۱۱۲

۱۴۔ ملاحظہ ہو: بروہی، طارق علی، علم الکلام، فلسفہ اورمنطق کی مذمت اورمشہورمنطق پرستوں کی توبہ، ناشر اصلی اہل سنت ڈاٹ کام، لاہور، س۔ن

۱۵۔ ملاعلی القاریؒ، شرح فقہ اکبر، (مترجم: مولانا محمد نوید)، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س۔ن، ص ۱۵

۱۶۔ علم الکلام اورالکلام، ص ۴۹۔ ۴۷

۱۷۔ کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، علم الکلام، زمزم پبلشرز، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۲
۱۸۔ تاریخ افکار وعلوم اسلامی، ج ۲، ص ۱۱۵ ۱۹۔ حوالۂ سابق، ج۲، ص ۱۱۲
۲۰۔ حوالۂ سابق، ج ۲، ص ۱۱۳ ۲۱۔ سنن ابوداود، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ
۲۲۔ المرجانی، ہارون بن بہاؤ الدین، شہاب الدین، ناظورۃ الحق فی فرضیۃ العشاء وان لم یغب الشفق، مطبوعہ خزانہ دہ قزان، ۱۸۷۰ء، ص ۱۰۔۱۱
۲۳۔ ناظورۃ الحق، حوالۂ سابق، ص ۱۰۔۱۱
۲۴۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، حنبلی، تحریم النظر فی کتب الکلام، دار عالم الکتب، الریاض، ۱۹۹۰ء، ص ۴۱
۲۵۔ الہروی، عبداللہ، الانصاری، ذم الکلام وأہلہ، مکتبہ الغرباء الأثریۃ، س۔ن، ص ۲۲
۲۶۔ شبلی نعمانی، علامہ، علم الکلام اور الکلام، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۹ء، ص ۳۷
۲۷۔ تاریخ افکار وعلوم اسلامی، ج ۲، ص ۱۰۹
۲۸۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، تقی الدین، ابوالعباس، الحرانی، الرد علی المنطقین، مؤسسۃ الریان، بیروت، ۲۰۰۵ء، ص ۵۵۶
۲۹۔ عثمانی، شبیر احمد، مولانا، العقل والنقل، ادارۂ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۴۵۔۴۶
۳۰۔ الفرہاروی، عبدالعزیز، مولانا، النبراس شرح العقائد للنسفی، مکتبہ حقانیہ، ملتان، س ن، ص ۲۴
۳۱۔ تاریخ افکار وعلوم اسلامی، ج ۲، ص ۱۳۴
۳۲۔ نانوتوی، محمد قاسم، مولانا، تقریر دلپذیر، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، س۔ن، ص ۲۷
۳۳۔ علی عبدالفتاح، المغربی، الدکتور، الفرق الکلامیۃ الاسلامیۃ، دراسۃ مکتبۃ وہبۃ، القاہرہ، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰۸
۳۴۔ ابوالکلام آزاد، مولانا، ایمان اور عقل، (ترتیب محمد رفیق چودھری)، مکتبہ قرآنیات، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۲۹

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، 27-A، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com